THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY
Vol.4, No.1, 2026
ISSN P: 3006-3329
ISSN E: 3006-3337

سلسلہ قادریہ کی اہم سیاسی شخصیات کا سیاسی کردار

The Political Role of Prominent Political Figures of the Qadri Sufism

1. Tajamal Hussain
PhD Scholar, The Islamia University of Bahawalpur, Pakistan.
Email: tajamalchan1@gmail.com
2. Dr. Sajila Kousor
Associate Professor, The Islamia University of Bahawalpur, Pakistan.
Email: sajila.kousar@iub.edu.pk

Abstract

The political role of Sufis is of great need and importance because on the one hand, people generally believe that Sufis had nothing to do with worldly wealth and politics and that they were always engaged in remembrance and worship purely for the sake of Allah's pleasure. On the other hand, if we look at the general attitude of Sufis towards government and politics, it is clear that many caliphs and Sufis have stood up to the rulers of their time. Although the era of the sixth century AH was a period of political glory and splendor for the Muslims, inwardly, moral decline and spiritual stagnation had shaken the Ummah. In such a situation, the emergence of Hazrat Syed Abdul Qadir Jilani came in the form of a revivalist awakening. He not only revived the pulpit and the mihrab but also awakened the hearts. His speeches were not just a series of words, but conveyed messages to the depths of the soul. Syed Abdul Qadir Jilani guided the nation at a time when it was immersed in the errors of disbelief. The Qadiriyya order is attributed to Abdul Qadir Jilani and its origins date back to the eighth Imam.

***Key word** : Political , Abdul qadir , Sufis ,Ummah , Qadiriya*

چھٹی صدی ہجری کا دور اگرچہ مسلمانوں کے سیاسی جاہ و جلال کا مظہر تھا، مگر باطن میں اخلاقی زوال اور روحانی انجماد نے امت کو متزلزل کر رکھا تھا۔ایسے میں حضرت سید عبد القادر جیلانی کا ظہور ایک مجددانہ بیداری کی صورت میں سامنے آیا۔انہوں نے نہ صرف منبر و محراب کو زندہ کیا بلکہ دلوں کو بھی جگایا۔ان کی تقریریں محض الفاظ کا سلسلہ نہ تھیں، بلکہ روح کی گہرائیوں تک پیغامات پہنچائے۔سید عبد القادر جیلانی نے قوم کی اس وقت رہنمائی کی جب وہ کفر کی ضلالتوں میں ڈوبی ہوئی تھی۔ سلسلہ قادریہ عبد القادر جیلانی ہی سے منسوب ہے اس کی ابتداء آٹھویں امام سے ہے۔

سلسلہ قادریہ کی اہم شخصیات کا سیاسی کردار

حضرت میاں میر

حضرت میاں میر کے زمانے میں مغل سلطنت اپنے عروج کی طرف تھی۔شاہ جہاں کی حکومت (1628ء۔1658ء) اور اس کے بعد اورنگزیب کے دور میں لاہور ایک اہم سیاسی اور ثقافتی مرکز تھا۔میاں میر نے اس سیاسی منظر نامے میں روحانی اثر و رسوخ کے ذریعے حکمرانوں کے ساتھ تعلقات قائم

کیے۔ ان کے اثرات صرف مذہبی نہیں بلکہ سیاسی بھی تھے، اور وہ حکمرانوں کی نصیحت اور عوامی معاملات میں ثالثی کرتے تھے۔ میاں میر نے شاہ جہاں کے دور میں اپنی شخصیت کے ذریعے سلطنت کے اندر اصلاحات کے لیے اثر ڈالنے کی کوشش کی۔

> شاہ جہاں کی حکومت میں لاہور کی اہمیت کی وجہ سے میاں میر کے حلقے میں مختلف حکومتی افسران اور سردار شامل ہوتے تھے۔ آپ عوامی مسائل کے حل، حکومتی فیصلوں کی اصلاح، اور مذہبی امور میں حکمرانوں کی رہنمائی کرتے۔ اس تعلق نے انہیں نہ صرف ایک روحانی شخصیت بلکہ ایک سماجی اور سیاسی مشیر کے طور پر بھی نمایاں کیا۔[1]

حضرت میاں میر کا اثر عام عوام پر بھی بہت زیادہ تھا۔ انہوں نے نہ صرف تصوف اور دینی تعلیم کی تبلیغ کی بلکہ غریبوں اور مظلوموں کے حقوق کے تحفظ میں بھی کردار ادا کیا۔ حکمرانوں کے ساتھ تعلقات کی بدولت وہ عوامی مفادات کے لیے ثالثی کر سکتے تھے۔ ان کے سلسلے کے مرید اور حلقہ اثر نے لاہور اور آس پاس کے علاقوں میں عوامی زندگی میں بہتری لانے میں مدد دی۔ حضرت میاں میر کی روحانی تعلیمات کا محور تزکیہ نفس، اخلاقی پاکیزگی اور عبادات میں کمال حاصل کرنا تھا۔ انہوں نے اپنے مریدین کو دل کی صفائی، بندگی کا حق، اور اللہ کی معرفت پر زور دیا۔ ان کے نظریات نے برصغیر میں تصوف کے فکری رجحانات پر گہرے اثرات مرتب کیے اور کئی صوفی حلقوں میں ان کے اسلوب کو اپنایا گیا۔ میاں میر نے لاہور اور اس کے آس پاس کے علاقوں میں اپنے مریدین کو تربیت دی۔ ان کا سلسلہ اثر مذہبی، سماجی اور سیاسی سطح پر پھیلا۔ مریدین کی تعداد میں اضافہ ہوا اور وہ نہ صرف روحانی تعلیمات بلکہ حکومتی اور عوامی مسائل میں بھی ان کے مشورے پر عمل کرتے۔ ان کی تربیت کا محور ہمیشہ علم، تقویٰ، اور حکمت عملی کے ذریعے اصلاح معاشرہ تھا۔

اورنگزیب عالمگیر کے ساتھ تعلق

حضرت میاں میر کے سیاسی اثر و رسوخ کا ایک اہم پہلو ان کا تعلق بادشاہ اورنگزیب عالمگیر کے ساتھ تھا۔ اورنگزیب نے اپنی حکومت میں دین و سیاست کو جوڑنے کی کوشش کی، اور اس مقصد کے لیے میاں میر کو اپنی نصیحت اور مشاورت کے لیے مدعو کیا۔ میاں میر نے حکمران کو عدل، انصاف اور عوامی فلاح کی نصیحت کی، اور دربار میں اصلاحات کے لیے کردار ادا کیا۔

> میاں میر کی شخصیت نے انہیں نہ صرف ایک روحانی پیشوا بلکہ ایک سیاسی مشیر بھی بنا دیا۔ دربار میں ان کی موجودگی نے حکمرانوں کو عوامی مسائل میں سنجیدہ رویہ اختیار کرنے پر مجبور کیا۔ وہ ممالک کی سماجی اور سیاسی حالتوں پر نظر رکھتے اور حکمرانوں کو اصلاحی مشورے دیتے۔ ان کے مشورے اکثر معاشرتی انصاف، ٹیکس کے نظام اور عوامی شکایات کے حل سے متعلق ہوتے۔[2]

حضرت میاں میر نے اپنی روحانی اور سیاسی حیثیت کے ذریعے عوام کے حقوق کے تحفظ میں اہم کردار ادا کیا۔ وہ مظلوموں کے مسائل سن کر حکمرانوں

1 دہلوی، محمد اختر، مرزا، تذکرہ اولیائے پاک و ہند، دانش پبلشنگ کمپنی، نئی دہلی، 1991ء، ص 239

2 سعد اللہ، محمد، صوفیاء اور حسن اخلاق، ص 129

ISSN P: 3006-3329
ISSN E: 3006-3337

تک پہنچاتے اور انصاف دلوانے کی کوشش کرتے۔ ان کی ثالثی کی بدولت کئی سیاسی اور سماجی تنازعات حل ہوئے۔ یہ تعلقات ان کے روحانی اثرات کے ساتھ جڑے ہوئے تھے، جس سے ان کی مقبولیت اور احترام بڑھا۔ میاں میر نے صرف سیاسی اور عوامی اصلاح تک محدود نہیں رہ کر تصوف اور فقہ کی تعلیمات کو بھی فروغ دیا۔ انہوں نے کئی مجالس، دروس اور حلقات میں لوگوں کو اسلامی تعلیمات کی عملی پہلوؤں سے روشناس کرایا۔ ان کی علمی خدمات نے نہ صرف روحانی حلقوں میں بلکہ عام عوام میں بھی تصوف کی اہمیت کو اجاگر کیا۔

میاں میر نے اورنگزیب کے دربار میں نہ صرف حکومتی مشورے دیے بلکہ سیاسی تنازعات میں ثالثی بھی کی۔ ان کے مشورے اکثر ٹیکس نظام، زمین کے معاملات، اور عوامی شکایات کے حل سے متعلق ہوتے۔ اورنگزیب نے میاں میر کو بہت احترام دیا اور اکثر ان کی رائے کو سیاسی فیصلوں میں مد نظر رکھا۔

> حضرت میاں میر کی زندگی کا ایک اہم پہلو یہ تھا کہ وہ روحانیت اور سیاست کو متوازن طریقے سے جوڑتے۔ ان کے نزدیک حقیقی روحانی رہنما کو عوامی فلاح، حکمرانوں کی اصلاح، اور معاشرتی انصاف کے لیے بھی فعال ہونا چاہیے تھا۔ اس فلسفے نے انہیں ایک منفرد مقام عطا کیا۔[3]

میاں میر نے اپنے زمانے کے علماء اور صوفی بزرگوں کے ساتھ تعلقات قائم رکھے اور ان کی علمی و فکری خدمات کو فروغ دیا۔ ان کے خطوط، مکاتیب اور خطبات نے لاہور اور آس پاس کے علاقوں میں تصوف، فقہ اور اخلاقیات کی تعلیم کو عام کیا۔ ان کی علمی خدمات نے ان کے روحانی اثرات کو مضبوط بنیاد دی اور مریدین کی تربیت میں مدد دی۔ حضرت میاں میر کے زمانے میں مغل سلطنت ایک مضبوط سیاسی ڈھانچے کی حامل تھی، لیکن مختلف علاقوں میں داخلی خلفشار اور مقامی سرداروں کے تنازعات موجود تھے۔ اس صورتحال میں میاں میر نے اپنی روحانی حیثیت کے ذریعے عوامی تحفظ اور عدل و انصاف کے فروغ میں کردار ادا کیا۔ میاں میر نے نہ صرف مریدین بلکہ عام عوام کی شکایات بھی سنیں۔ وہ زمین، ٹیکس، اور مقامی حکومتی ناانصافی کے مسائل کو سن کر دربار میں حکمرانوں تک پہنچاتے اور اصلاح کی کوشش کرتے۔ اس عمل نے انہیں عوام میں بے حد مقبول اور دربار میں قابل احترام بنایا۔

> میاں میر نے اپنے مریدین، حکمرانوں، اور علماء کو متعدد خطوط اور مکاتیب لکھے۔ یہ خطوط نصیحت، اصلاح اور روحانی رہنمائی کا ذریعہ تھے۔ ان میں نہ صرف عبادت اور اخلاقیات پر زور تھا بلکہ حکمرانوں کے لیے سیاسی مشورے اور عوامی فلاح کے اصول بھی شامل تھے۔ اورنگزیب کے دربار میں متعدد سیاسی اور معاشرتی مسائل پیدا ہوتے رہتے تھے۔ میاں میر نے ان مسائل میں وسطی کردار ادا کیا، جیسے کہ مقامی سرداروں کے درمیان تنازعات، ٹیکس کے نظام کی اصلاح، اور حکومتی فیصلوں میں عوامی مفادات کی حفاظت۔ ان کی نصیحت اور ثالثی سے کئی تنازعات خوش اسلوبی سے حل ہوئے۔[4]

---

3 دہلوی، محمد اختر، مرزا، تذکرہ اولیائے پاک وہند، ص 251

4 نظامی، خواجہ عابد، ڈاکٹر، لاہور میں اسلام کے سفیر، الفیصل ناشران وتاجران کتب، لاہور، 2000ء، ص 219

میاں میر کے خطوط، مکاتیب، اور تعلیمات نے علماء اور صوفی بزرگوں کے درمیان ان کے اثرات کو مضبوط کیا۔ ان کے مریدین نے اس علم کو آگے بڑھایا اور لاہور اور آس پاس کے علاقوں میں تصوف، فقہ، اور اخلاقیات کی تعلیم کو عام کیا۔ اس طرح میاں میر کا روحانی اور علمی اثر آنے والی نسلوں تک منتقل ہوا۔ حضرت میاں میر کے اثر و رسوخ کی بدولت کئی سماجی اور سیاسی اصلاحات نافذ ہوئیں۔ وہ حکمرانوں کو نصیحت کرتے کہ عوام کے حقوق کا خیال رکھیں، ظلم اور زیادتی سے بچیں، اور انصاف کے نظام کو مضبوط کریں۔ ان کے اثرات کا دائرہ صرف لاہور تک محدود نہیں بلکہ پورے پنجاب تک پھیل گیا۔ میاں میر کے مریدین بھی سیاست میں سرگرم رہے۔ انہوں نے اپنے استاد کی رہنمائی میں عوامی مفادات کی حفاظت، حکمرانوں کے مشورے، اور مقامی تنازعات میں ثالثی کی۔ اس طرح میاں میر کا روحانی سلسلہ نہ صرف تصوف کے لیے بلکہ سماجی و سیاسی بہتری کے لیے بھی فعال تھا۔ حضرت میاں میر کی سیاسی اور روحانی خدمات نے انہیں برصغیر کے تاریخی اور ثقافتی منظرنامے میں ایک منفرد مقام عطا کیا۔ ان کی تدبیریں، نصیحتیں، اور ثالثی نہ صرف ان کے وقت کے حکمرانوں بلکہ آنے والی نسلوں کے لیے بھی ایک مثالی کردار ہیں۔

میاں میر کی تعلیمات میں اخلاق اور سیاست کو جوڑنے پر زور دیا گیا۔ انہوں نے مریدین کو بتایا کہ ایک حقیقی صوفی کو نہ صرف اپنی روحانی ترقی پر توجہ دینی چاہیے بلکہ حکمرانوں اور عوام کے ساتھ تعلقات میں انصاف اور حکمت کا مظاہرہ بھی کرنا چاہیے۔ حضرت میاں میر کے خطوط اور مشوروں میں حکمرانوں کو عوام کے حقوق کی پاسداری، ظلم و زیادتی سے بچاؤ، اور ٹیکس و زمین کے نظام میں اصلاح کی نصیحت شامل تھی۔ ان کی عملی حکمت نے نہ صرف لاہور بلکہ پورے پنجاب میں سماجی توازن اور امن قائم کیا۔

حضرت میاں میر اور حکمران

حضرت میاں میر نے اپنی زندگی کے ابتدائی دور سے ہی حکمرانوں کے ساتھ تعلق قائم کیا۔ ان کے علم اور روحانی مقام کی وجہ سے مختلف حکمران ان کے مشورے کے لیے حاضر ہوتے۔ میاں میر نے ہمیشہ عدل، انصاف اور عوامی فلاح کے اصولوں پر زور دیا، اور حکمرانوں کو نصیحت کی کہ وہ عوام کے حقوق کا خیال رکھیں۔

> شاہ جہاں کے دور حکومت میں حضرت میاں میر کا اثر بہت نمایاں تھا۔ دربار میں ان کی موجودگی نے حکمرانوں کو عوامی مسائل اور سماجی انصاف کے بارے میں حساس بنایا۔ وہ شاہ جہاں کو نصیحت کرتے اور ان کے فیصلوں میں اصلاح کے لیے رہنمائی فراہم کرتے۔[5]

اورنگزیب عالمگیر کے دور میں میاں میر کی شخصیت نے سیاست اور روحانیت کے امتزاج کی ایک مثال قائم کی۔ وہ حکمران کو عدل و انصاف، عوامی شکایات کے حل، اور مذہبی امور میں اعتدال پر نصیحت کرتے۔ ان کے اثرات سے حکومتی فیصلوں میں عوام کی بھلائی کا عنصر بڑھا۔ حضرت میاں میر نہ صرف حکمرانوں بلکہ مقامی سرداروں اور عوام کے درمیان تعلقات میں بھی سرگرم رہے۔ وہ مظلوموں کی شکایات سنتے، اور عدل و انصاف کے لیے ثالثی کرتے۔ اس عمل نے ان کی مقبولیت میں اضافہ کیا اور معاشرتی توازن قائم رکھنے میں مدد دی۔ میاں میر کے اثرات کی بدولت کئی سیاسی اور سماجی

5 سعد اللہ، محمد، صوفیاء اور حسن اخلاق، ص176

ISSN P: 3006-3329
ISSN E: 3006-3337

اصلاحات نافذ ہوئیں۔ وہ حکمرانوں کو نصیحت کرتے کہ عوام کے حقوق کی پاسداری کریں، ظلم وزیادتی سے بچیں، اور انصاف کے نظام کو مضبوط کریں۔ ان کے اثرات نہ صرف لاہور بلکہ پورے پنجاب تک پہنچے۔

حضرت سید محمد نوشہ گنج بخش کا سیاسی کردار

برصغیر کی تاریخ میں سولہویں اور سترہویں صدی کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ یہ وہ دور تھا جب مغلیہ سلطنت اپنی وسعت اور استحکام کے منازل طے کر رہی تھی۔ اکبر بادشاہ (1542–1605ء) نے اپنی حکومت کو وسعت دینے کے ساتھ ساتھ ایک مخصوص مذہبی و سیاسی پالیسی اختیار کی، جسے "دین الٰہی" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ یہ پالیسی اسلامی تعلیمات کے بجائے ایک مرکب مذہب بنانے کی کوشش تھی، جس پر صوفیاء کرام خصوصاً سلسلہ نوشاہیہ کے مشائخ نے بھرپور تنقید کی۔ صوفیاء ہمیشہ اس بات کے قائل رہے ہیں کہ حکمران اگر اسلام کے احکام کے مطابق حکومت کریں تو وہ ان کے خیر خواہ ہیں، لیکن اگر وہ اسلام سے انحراف کریں تو صوفیاء ان کے مقابلے میں شریعت و طریقت کی روشنی بلند کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت سید محمد نوشہ گنج بخش نے اکبر اور اس کے جانشینوں کے بعض اقدامات پر واضح موقف اپنایا۔

> صوفیاء کے نزدیک دین وسیاست میں جدائی ممکن نہیں۔ ان کے نزدیک بادشاہ اگر شریعت کے مطابق نہ ہو تو اس کے اقدامات کا رد کرنا بھی دین کی خدمت ہے۔[6]

حضرت سید محمد نوشہ گنج بخش نے نہ صرف روحانی تعلیمات دیں بلکہ سیاسی حالات پر بھی گہری نظر رکھی۔ وہ جانتے تھے کہ اگر اکبر کے "دین الٰہی" جیسے فتنوں کا سدباب نہ کیا گیا تو برصغیر کے مسلمانوں کی شناخت ہی خطرے میں پڑ جائے گی۔ آپ نے اپنے مریدین اور خلفاء کو ہمیشہ تاکید کی کہ وہ شریعت کو اولین ترجیح دیں اور طریقت کو شریعت کا خادم بنائیں۔ یہی وجہ ہے کہ سلسلہ نوشاہیہ نے عوامی سطح پر اسلامی تعلیمات کی بقا کے لیے بھرپور کردار ادا کیا۔

> حضرت نوشہ گنج بخش نے اپنے مریدین کو سیاسی شعور دیا اور انہیں باور کرایا کہ دین کی حفاظت کے لیے طاغوتی نظاموں کا رد کرنا لازم ہے۔[7]

حضرت سید محمد نوشہ گنج بخش کے دور میں مغل بادشاہ اکبر، جہانگیر اور شاہجہان جیسے حکمران تھے۔ ان بادشاہوں کے ساتھ صوفیاء کے تعلقات ہمیشہ مختلف نوعیت کے رہے۔ جیسے کہ اکبر بادشاہ کے دین الٰہی کے مقابلے میں حضرت نوشہ گنج بخش نے شریعت و طریقت کے جھنڈے کو بلند رکھا۔ جہانگیر کے دور میں نسبتاً مذہبی رواداری کا پہلو نمایاں ہوا، لیکن اس کے بعض اقدامات پر بھی صوفیاء نے تنقید کی۔ شاہجہان کے دور میں اسلامی شعائر کی کچھ حد تک ترویج ہوئی، اور صوفیاء کے ساتھ تعلقات بہتر بنے۔ حضرت نوشہ گنج بخش نے ہمیشہ بادشاہوں کو نصیحت کی کہ وہ عدل وانصاف کے ساتھ حکومت کریں، لیکن اگر کوئی انحراف کرتا تو آپ نے اپنے مواعظ اور ملفوظات کے ذریعے لوگوں کو آگاہ کیا۔ حضرت نوشہ گنج بخش نے مغل بادشاہوں کے ساتھ تعلقات میں ہمیشہ دین کو اولیت دی اور کسی دنیاوی مفاد کو قبول نہ کیا۔

---

6 نوشاہی، محمد حیات، سید، تذکرہ نوشاہیہ، ص 413

7 نوشاہی، شرافت، سید، انوار نوشاہیہ، ص 123

THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY
Vol.4, No.1, 2026
ISSN P: 3006-3329
ISSN E: 3006-3337

حضرت سید محمد نوشہ گنج بخش کی سب سے بڑی خدمت یہ تھی کہ انہوں نے شریعت اور طریقت کو ایک دوسرے کا لازم و ملزوم قرار دیا۔ آپ کی تعلیمات کی وجہ سے عوام میں دین سے وابستگی میں اضافہ ہوا۔ اس کے ساتھ ساتھ آپ کے خلفاء نے مختلف علاقوں میں تبلیغی اور اصلاحی مراکز قائم کیے۔ یہی وہ عوامی اثر تھا جس نے اکبر کے دین الٰہی کو عوام میں جڑ نہیں پکڑنے دی۔ سلسلہ نوشاہیہ نے نہ صرف دینی میدان میں بلکہ سماجی سطح پر بھی عدل، انصاف، مساوات اور خدمتِ خلق کی اقدار کو فروغ دیا۔ نوشاہیہ مشائخ نے عوامی سطح پر اسلام کے دفاع میں وہ کردار ادا کیا جسے تاریخ کبھی فراموش نہیں کر سکتی۔

سلاطین کے ساتھ تعلقات

حضرت سید محمد نوشہ گنج بخش کی حیاتِ طیبہ کا ایک نمایاں پہلو یہ تھا کہ آپ نے اپنے عہد کے سلاطین کے ساتھ براہ راست تعلق رکھا، لیکن یہ تعلق کبھی دنیاوی غرض یا اقتدار کی خواہش پر مبنی نہ تھا بلکہ محض دینی و صوفیانہ اثرات کی بنیاد پر تھا۔ آپ نے جہاں ایک طرف دینِ اسلام کی تبلیغ و اشاعت کے ذریعے عوام کے دلوں کو ایمان کی روشنی سے منور کیا، وہیں دوسری طرف حکمران طبقے کو بھی شریعت کی طرف متوجہ کرنے میں بھرپور کردار ادا کیا۔ حضرت سید محمد نوشہ نے ہمیشہ حکمرانوں کو یہ نصیحت کی کہ سلطنت کا استحکام محض تلوار یا خزانے سے نہیں بلکہ عدل و انصاف سے ہوتا ہے۔ وہ بادشاہوں کے دربار میں بھی صوفیانہ سادگی اور روحانی عظمت کے ساتھ پیش ہوتے اور انہیں دین کی حقیقت سمجھاتے تھے۔ یہ رویہ حضرت نوشہ گنج بخش کو دیگر صوفیاء سے ممتاز کرتا ہے کیونکہ آپ نے دین و سیاست کے تعلق کو نہ تو بالکل منقطع کیا اور نہ ہی اس پر دنیاوی مفاد کی چھاپ پڑنے دی، بلکہ اس کو شریعت و طریقت کے ساتھ جوڑ دیا۔

جب حضرت سید محمد نوشہ گنج بخش کا زمانہ آیا تو ہندوستان میں مغلیہ سلطنت سیاسی طور پر مضبوط تھی۔ اکبر کے دورِ حکومت میں اگرچہ سلطنت کی وسعت اور طاقت میں اضافہ ہوا لیکن ساتھ ہی اس کے مذہبی و فکری رجحانات نے امتِ مسلمہ میں اضطراب پیدا کر دیا۔ "دینِ الٰہی" جیسے فتنے نے عوام و خواص میں شدید بے چینی پیدا کی۔ ایسے میں حضرت نوشہ گنج بخش نے صوفیانہ تحریک کے ذریعے دینِ اسلام کی حقیقی تعلیمات کی تجدید کا بیڑا اٹھایا۔ ایک روایت میں آتا ہے:

> اکبر کے زمانے میں جب دینِ الٰہی کا فتنہ عام ہوا تو حضرت نوشہ گنج بخش نے اپنے مریدین کو تاکید کی کہ وہ کسی صورت اس گمراہ کن تحریک میں شامل نہ ہوں بلکہ اپنے ایمان کی حفاظت کریں۔ آپ نے عامۃ الناس میں خطبات اور مجالس کے ذریعے شریعت محمدی ﷺ کی عظمت کو اجاگر کیا۔[8]

حضرت نوشہ گنج بخش نے مغل عہد کی سیاسی و مذہبی پیچیدگیوں میں عوام کو سیدھی راہ دکھائی اور تصوف کو سیاست کے بگاڑ کے مقابل ایک اصلاحی قوت بنا دیا۔ حضرت نوشہ گنج بخش کا ایک نمایاں وصف یہ تھا کہ آپ نے اپنے دور کے علما اور دیگر مشائخ سے رابطہ رکھا۔ یہ تعلق محض روحانی سلسلوں تک محدود نہ تھا بلکہ ایک فکری و علمی تعاون کی شکل بھی اختیار کر گیا۔ حضرت سید محمد نوشہ گنج بخش کے خانقاہی حلقے میں اس دور کے جید علما شریک ہوتے اور

---

8 عبدالرشید، قاضی، ہندوستان میں تصوف اور سیاست، ادارہ ثقافتِ اسلامیہ، لاہور، 1992ء، ص 201

THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY
Vol.4, No.1, 2026
ISSN P: 3006-3329
ISSN E: 3006-3337

دینی مسائل پر آپ سے مشاورت کرتے۔ آپ علما کو اس بات پر زور دیتے کہ وہ عوام کی فکری و اخلاقی تربیت کریں اور بادشاہوں کے سامنے کلمۂ حق کہنے سے نہ گھبرائیں۔ یہ حقیقت حضرت نوشہ گنج بخش کے ہمہ گیر اثر و رسوخ کو ظاہر کرتی ہے کہ آپ کی شخصیت محض ایک صوفی نہیں بلکہ ایک ہمہ جہتی رہنما کے طور پر سامنے آتی ہے۔

عوامی سطح پر حضرت نوشہ گنج بخش کا اثر و رسوخ

حضرت نوشہ گنج بخش کی شخصیت کا سب سے بڑا اثر عوامی سطح پر نظر آتا ہے۔ آپ نے اپنے وعظ، بیعت اور تربیت کے ذریعے ہزاروں افراد کو دینِ اسلام کی طرف متوجہ کیا۔ عوام الناس کے دلوں میں آپ کی محبت اور عقیدت کا یہ عالم تھا کہ لوگ آپ کے درِ خانقاہ پر اپنی زندگی کے مسائل کا حل ڈھونڈنے آتے۔

> نوشہ گنج بخش کی خانقاہ میں ایک ایسا ماحول قائم تھا جہاں امراء و سلاطین بھی آتے اور عام کسان و مزدور بھی۔ وہاں سب کے ساتھ مساوی سلوک ہوتا اور یہ بات عوام کے دلوں کو بھا گئی۔ حضرت سید محمد نوشہ کی خانقاہ محض ذکر و اذکار کا مرکز نہ تھی، بلکہ یہ اسلامی تعلیمات کے عملی نفاذ اور سیاسی شعور کی آماجگاہ تھی۔[9]

یہی وجہ تھی کہ سلسلہ نوشاہیہ جلد ہی برصغیر کے طول و عرض میں پھیل گیا اور اس نے معاشرتی و دینی اصلاح میں گہرا کردار ادا کیا۔ آپ کے مریدوں نے اکبر بادشاہ کے دین الٰہی جیسے گمراہ کن افکار کی سخت مزاحمت کی اور عوام الناس کو شریعت کے اصولوں پر قائم رہنے کی دعوت دی۔ اکبر کے دین الٰہی نے اسلامی معاشرت اور عقیدے میں ایک خطرناک رخنہ ڈالنے کی کوشش کی۔ ایسے وقت میں صوفیاء نے اپنی حکمت عملی کو شریعت اور طریقت کے امتزاج پر قائم رکھا۔ سلسلہ نوشاہیہ کے بزرگوں نے عامۃ المسلمین کو بتایا کہ دین اسلام کامل اور مکمل ہے، اس میں کسی نئے دین یا ضابطے کی ضرورت نہیں۔

حضرت نوشہ گنج بخش نے دین الٰہی کو محض ایک مذہبی مسئلہ نہیں سمجھا بلکہ اسے سیاسی سازش بھی قرار دیا۔ آپ کی تعلیمات میں واضح طور پر نظر آتا ہے کہ دین الٰہی کو قبول کرنا گویا اسلام کی اساس کو متزلزل کرنا تھا۔ حضرت نوشہ گنج بخش نے اپنی خانقاہ اور وعظ و نصیحت کے ذریعے دین الٰہی کے فتنے کو زائل کرنے میں کلیدی کردار ادا کیا۔ آپ کے مریدین نے بھی سیاسی و سماجی سطح پر دین الٰہی کے خلاف آواز بلند کی، اور اس طرح ایک عظیم فکری مزاحمت سامنے آئی۔ حضرت سید محمد نوشہ گنج بخش کا زمانہ وہ تھا جب مغل بادشاہت اپنی طاقت اور وسعت کے عروج پر تھی۔ لیکن اس کے ساتھ ہی سیاسی اور مذہبی انتشار بھی بڑھ رہا تھا۔ حضرت نوشہ گنج بخش نے سلاطین کے ساتھ حکمت عملی پر مبنی تعلقات رکھے۔ آپ نے بادشاہوں کو مشورہ دیا کہ وہ اسلام کے اصولوں پر قائم رہیں اور عدل و انصاف سے حکومت کریں۔

---

[9] یزدانی، محمد اصغر، ڈاکٹر، سلسلہ نوشاہیہ کی ادبی تاریخ، ص 317

THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY
Vol.4, No.1, 2026
ISSN P: 3006-3329
ISSN E: 3006-3337

اکبر کے دین الٰہی کے بعد جب جہانگیر اور شاہجہان کا دور آیا تو سلسلہ نوشاہیہ کے مشائخ نے ان سے بھی روابط رکھے تاکہ دین کے اصولوں کو قائم رکھا جاسکے۔ نوشاہیہ مشائخ نے کبھی کسی ظالم بادشاہ کے سامنے خاموشی اختیار نہیں کی، بلکہ وہ ہمیشہ دین کی بالادستی کے لیے آواز بلند کرتے رہے۔[10]

حضرت سید محمد نوشہ گنج بخش اور آپ کے سلسلہ نے محض ایک دور کے فتنہ (دین الٰہی) کا رد نہیں کیا بلکہ آنے والی صدیوں کے لیے ایک مضبوط فکری و روحانی میراث چھوڑ دی۔ ان کے مرید اور خلفاء نے مختلف علاقوں میں مدارس، خانقاہیں اور مساجد قائم کیں جہاں قرآن و حدیث کی تعلیم دی جاتی تھی۔ اس علمی سرمایہ نے برصغیر کے مسلمانوں کو شناخت اور بقا فراہم کی۔ آج بھی پنجاب اور برصغیر کے کئی علاقے نوشاہیہ مشائخ کی دینی و علمی خدمات سے متاثر ہیں۔ سلسلہ نوشاہیہ نے اپنی روحانی تعلیمات اور شریعت پر استقامت کے ذریعے مسلمانوں کو دین اسلام کے حقیقی راستے پر قائم رکھا۔ حضرت سید محمد نوشہ گنج بخش کو نہ صرف ایک بزرگ صوفی کے طور پر یاد کیا جاتا ہے بلکہ ایک ایسے مصلح اور رہنما کے طور پر بھی جنھوں نے اپنے وقت کے سیاسی و فکری فتنوں کا مردانہ وار مقابلہ کیا۔

آپ کا عہد مغلیہ سلطنت کے سیاسی نشیب و فراز کا زمانہ تھا۔ خصوصاً اکبر کے دور میں "دینِ الٰہی" جیسی بدعت سامنے آئی۔ آپ نے نہ صرف اس کے خلاف آواز بلند کی بلکہ علما و صوفیا کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کر کے اس کی تردید کی۔ یوں آپ نے تصوف کو سیاسی شعور کے ساتھ جوڑ کر اسلام کی صحیح روح کو اجاگر کیا۔ حضرت نوشہ گنج بخش نے اپنی خانقاہی اثر و رسوخ کے ذریعے حکمرانوں کو عدل و انصاف اور اسلامی تعلیمات کی طرف مائل کیا۔ آپ نے شہنشاہ جہانگیر اور شاہجہان کے دور میں بھی دینی اثر قائم رکھا۔ آپ کے نزدیک حکمران اگر عدل قائم نہ کریں تو رعایا کا فلاحی نظام برباد ہو جاتا ہے۔

حضرت سید محمد نوشہ گنج بخش کی حیات برصغیر کی تاریخ میں ایک روحانی و سیاسی جدوجہد کی علامت ہے۔ آپ نے اپنی خانقاہ کو نہ صرف دین و تصوف کا مرکز بنایا بلکہ اسے سماجی و سیاسی اصلاح کے لیے بھی استعمال کیا۔ دینِ الٰہی جیسی گمراہ کن تحریک کی تردید آپ کی سب سے بڑی خدمت ہے، جس نے اسلامی عقائد کی حفاظت اور مسلمانوں کے اتحاد میں اہم کردار ادا کیا۔ اس طرح آپ کو بجا طور پر "شریعت و طریقت کے علمبردار" کہا جا سکتا ہے۔ حضرت سید محمد نوشہ گنج بخش کی شخصیت اسلامی تاریخ اور برصغیر کی صوفیانہ روایت میں نہایت اہم مقام رکھتی ہے۔ آپ نہ صرف ایک عظیم صوفی اور مصلح تھے بلکہ دینی و سماجی میدان میں بھی بے مثال خدمات انجام دیں۔ آپ کی دعوت و تبلیغ کا محور قرآن و سنت کی تعلیمات کا فروغ اور شریعت و طریقت کا حسین امتزاج تھا۔ آپ نے دینِ اسلام کو عوام کے دلوں میں زندہ کرنے کے لیے ایسی حکمتِ عملی اختیار کی جس میں محبت، رواداری، اور اخلاقی تربیت کو بنیادی اہمیت حاصل تھی۔

سیاسی اعتبار سے آپ کے دور میں مغل بادشاہوں کی حکومت تھی اور مختلف فکری و دینی انحرافات بھی سامنے آرہے تھے، جن میں شہنشاہ اکبر کا "دینِ الٰہی" سب سے زیادہ قابلِ ذکر ہے۔ ایسے حالات میں حضرت سید محمد نوشہ گنج بخش اور سلسلہ نوشاہیہ نے نہ صرف شریعت کا پرچم بلند کیا بلکہ طریقت کے ذریعے عوام کو اس فتنہ سے محفوظ رکھنے میں نمایاں کردار ادا کیا۔ آپ کے خلفاء اور مریدین نے پورے برصغیر میں اسلام کی حقیقی روح کو عام کیا،

---

10 نوشاہی، شفیق الرحمن، سید، نقوش ظفر، ص 173

ISSN P: 3006-3329
ISSN E: 3006-3337

جس سے معاشرتی استحکام، اخلاقی اصلاح، اور دینی بیداری کی راہیں کھلیں۔ حضرت سید محمد نوشہ گنج بخش کے سیاسی تعلقات میں بھی حکمت و بصیرت کا عنصر نمایاں ہے۔ آپ نے حکمرانوں کے ساتھ براہِ راست تصادم کے بجائے اصلاحی حکمتِ عملی اپنائی اور اپنی خانقاہ کو عوامی دینی مرکز بنایا۔ اس کے نتیجے میں نہ صرف صوفیانہ اقدار محفوظ رہیں بلکہ آنے والی صدیوں میں بھی سلسلہ نوشاہیہ برصغیر میں دینِ اسلام کے فروغ کا ایک روشن حوالہ بن گیا۔ یوں کہا جا سکتا ہے کہ حضرت سید محمد نوشہ گنج بخش کی خدمات دینی، سماجی اور سیاسی ہر پہلو سے ہمہ گیر ہیں۔ آپ نے اپنی زندگی اور تعلیمات کے ذریعے اسلام کی وہ روشن راہ متعین کی جو آج بھی ہمارے لیے مشعلِ راہ ہے۔

حضرت موسیٰ پاک شہید

بادشاہوں سے تعلقات

برصغیر کی صوفیانہ تحریکیں محض خانقاہی نظام تک محدود نہ تھیں بلکہ انہوں نے عوامی شعور، سیاسی اخلاقیات اور حکومتی عدل و انصاف کے اصولوں کو تشکیل دینے میں بھی گہرا کردار ادا کیا۔ حضرت موسیٰ پاک شہید کی حیات اسی روایت کا ایک روشن باب ہے، جنھوں نے روحانی و فکری قیادت کے ساتھ ساتھ سیاسی سطح پر بھی اہم اثرات مرتب کیے۔

حضرت موسیٰ پاک شہید کا ابتدائی زمانہ اس عہد سے جڑا ہے جب مغلیہ سلطنت اپنی سیاسی بنیادیں مضبوط کر رہی تھی۔ دربارِ اکبری میں آپ کی روحانی عظمت اور اخلاقی وقار رکھتے تھے۔ حضرت موسیٰ پاک شہید نہ صرف تصوف میں بلند مقام رکھتے تھے بلکہ مغل دربار میں بھی ان کی رائے کو بڑی اہمیت دی جاتی تھی۔ حضرت موسیٰ پاک شہید نے اپنے روحانی مرتبہ کی بدولت مغل حکمرانوں میں مقبولیت حاصل کی۔ دربار میں ان کے تقویٰ اور اخلاقی بصیرت کے تئیں حکمرانوں میں عزت و احترام تھا۔ اس تعلق نے دربار کی روحانی فضاء مضبوط کرنے میں کردار ادا کیا، وہ نہ صرف عسکری بلکہ روحانی رہبر بھی سمجھے جاتے تھے۔

> حکمرانی کے مرکز میں روحانیت کا یہ امتزاج ان کی مقبولیت کا راز تھا۔ آپ کی شہادت نے سیاسی اور روحانی اعتبار سے دونوں جہتوں پر اثر چھوڑا۔[11]

حضرت موسیٰ پاک شہید کی شہادت سیاسی اثر و رسوخ میں اضافہ کا موجب بنی۔ جب وہ لنگاہ قبیلے کی جنگ میں شہید ہوئے (تقریباً 1602ء)، اس واقعے نے نہ صرف روحانی مرکزیت کو تقویت دی، بلکہ حکمرانوں کو بھی ان کے مرتبے کا ادراک دلایا۔ شہادت کے بعد ان کا مزار ملتان میں قرار پایا، جو بادشاہوں کے زیر اہتمام ایک مرجع بن گیا۔

بادشاہی سرپرستی و حکومتی تعاون نے حضرت موسیٰ پاک شہید کے مزار کو تحفظ فراہم کیا۔ مزار کی تعمیر اوچ شریف سے ملتان منتقل ہونے کے بعد حکومتی دلچسپی کے باعث یہاں فنِ تعمیر کا شاندار امتزاج، گنبد، نمازی خانہ اور کاشی کاری شامل ہو سکی۔ مزار کی مرمت اور تزئین و ترقی میں حکومتی سرپرستی نے اہم کردار ادا کیا۔ مغل دربار میں آپ کی مقبولیت کی ایک شاندار مثال وہ فرمان تھا جس میں اکبرِ اعظم نے آپ کی تصوفی بصیرت اور

11 دہلوی، محمد اختر، مرزا، تذکرہ اولیائے پاک وہند، اردو بازار، دہلی، 1950ء، ص 311

THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY
Vol.4, No.1, 2026
ISSN P: 3006-3329
ISSN E: 3006-3337

اخلاقی بلند مرتبے کی وجہ سے آپ کو دکن کی مہم پر روانہ کیا۔ یہ حکمت عملی دونوں فریقین کے لیے فائدہ مند ثابت ہوئی۔ سید یوسف رضا گیلانی لکھتے ہیں:

> مغل شہنشاہ جلال الدین اکبر نے۔۔۔حضرت موسیٰ پاک شہید کو لشکر کے ساتھ دکن بھیج دیا۔ شہنشاہ اورنگزیب عالمگیر جب اپنے بھائیوں کے ساتھ تخت کے حصول کی جنگ میں مصروف تھے، اُس وقت شیخ موسیٰ صوبہ ملتان کے دیوان اور پیشکار (گورنر) تھے۔ شہنشاہ اورنگزیب جب اپنے بھائی داراشکوہ کی تلاش میں لشکر کے ساتھ ملتان پہنچے تو اس سے پہلے ہی داراشکوہ بھکر کے لیے روانہ ہو چکے تھے۔ شہنشاہ اورنگزیب نے شیخ موسیٰ (دیوان) سے داراشکوہ کے بارے میں یوں دریافت کیا کہ دارابے شکوہ کجا است؟ (دارابے حیثیت کہاں ہے؟) شیخ موسیٰ نے جرأت سے اُن کے اس سوال کا جواب دیا کہ دارا باشکوہ رفت رفت (دارا باحیثیت) اگر یہاں ہوتے تو وہ میرے مہمان تھے تو مَیں کبھی آپ کے حوالے نہ کرتا۔ شہنشاہ اورنگزیب اپنی بات کی اس گستاخانہ جرأت سے تردید پر سیخ پا ہوئے اور شیخ موسیٰ کو فوری طور پر اُن کے عہدے سے معزول کر دیا۔[12]

آپ کا کردار محض مذہبی نہیں تھا بلکہ سیاسی فضا میں بھی آپ کی موجودگی کا اثر تسلیم کیا گیا، جو اس بات کی دلیل ہے کہ صوفیاء محض خانقاہوں تک محدود نہیں تھے۔

جلال الدین اکبر کے ساتھ تعلقات

اکبرِ اعظم کی پالیسی میں مذہبی رواداری کے پہلو کو اکثر سراہا جاتا ہے، لیکن حضرت موسیٰ پاک شہید کے ساتھ تعلقات اس رواداری سے آگے بڑھ کر روحانی عقیدت کی شکل اختیار کر گئے۔

> اکبرِ اعظم اکثر روحانی بزرگوں سے رہنمائی لیتا تھا، اور حضرت موسیٰ پاک شہید کو دکن کی مہم کے لیے دعا اور برکت کے ساتھ رخصت کیا۔[13]

یہ حوالہ اس حقیقت کو اجاگر کرتا ہے کہ بادشاہوں کے فیصلوں پر صوفیاء کے روحانی اثرات کو نظرانداز نہیں کیا جا سکتا۔ یہ سیاست اور روحانیت کے باہمی تعلق کی ایک جھلک پیش کرتا ہے۔ مغل بادشاہ اکثر صوفیاء سے سیاسی اور عسکری مہمات میں نصیحت طلب کرتے تھے۔ حضرت موسیٰ پاک شہید بھی ان میں شامل تھے۔ موسیٰ پاک شہید کی دعا اور مشورے کو سلطنت کے اہم فیصلوں میں شامل کیا جاتا تھا، خصوصاً دکن کی جنگوں میں۔[14] مغل دربار میں سیاسی تدابیر کے ساتھ ساتھ روحانی حکمت کو بھی فیصلہ سازی کا حصہ سمجھا جاتا تھا، جو اس عہد کے سیاسی و مذہبی توازن کا مظہر ہے۔ حضرت موسیٰ پاک شہید کی شخصیت نے نہ صرف مغل دور بلکہ بعد کے عہد میں بھی سیاسی و سماجی زندگی پر اثر ڈالا۔ بلکہ ملتان کی سیاست میں

---

12 گیلانی، یوسف رضا، سید، حضرت موسیٰ پاک شہید، روزنامہ جنگ، 17 مئی، 2017

13 فریدی نور احمد، خان، تاریخ ملتان، ص 188

14 ناظم، بشیر حسین، اولیائے ملتان، ص 234

ISSN P: 3006-3329
ISSN E: 3006-3337

حضرت موسیٰ پاک شہید کی خانقاہ ایک مرکز کی حیثیت رکھتی تھی جہاں سے روحانی اور سماجی تحریکیں ابھرتی رہیں۔ آپ کی تعلیمات اور خانقاہی نظام نے صدیوں تک سیاست اور معاشرت پر گہرا اثر ڈالا، جو آج تک برقرار ہے۔ حضرت موسیٰ پاک شہید کی خانقاہ اور مزار صدیوں تک سماجی اور سیاسی تحریکوں کا مرکز بنے رہے۔ حضرت موسیٰ پاک شہید کا علمی مقام اس بات سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ نے نہ صرف صوفیانہ تعلیمات کو عوام تک پہنچایا بلکہ مذہب اور سیاست کے باہمی تعلق پر بھی زور دیا۔

> حضرت موسیٰ پاک شہید علم و معرفت کے ان چراغوں میں سے تھے جنہوں نے تصوف کو صرف خانقاہوں تک محدود نہ رہنے دیا بلکہ اسے سیاسی شعور کے ساتھ جوڑا۔[15]

آپ کی فکر صرف روحانی پہلو تک محدود نہ تھی۔ آپ نے تصوف کو زندگی کے عملی پہلوؤں سے جوڑ کر ایک متوازن فکری نظام پیش کیا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ دورِ حاضر کے مسائل پر بھی غور و فکر رکھتے تھے۔ حضرت موسیٰ پاک شہید کی تعلیمات میں مذہب اور سیاست کا تعلق بار بار نمایاں ہوتا ہے۔ آپ کے نزدیک سیاست، مذہب سے علیحدہ نہیں بلکہ اس کی اخلاقی بنیادوں پر استوار ہونی چاہیے۔ موسیٰ پاک شہید کہا کرتے تھے کہ حکومت کی اصل کامیابی عدل اور اخلاق پر منحصر ہے، طاقت اور جبر پر نہیں۔ اس دور کے لیے بڑی انقلابی تھی کیونکہ سلطنتیں عموماً طاقت اور فتوحات پر فخر کرتی تھیں۔ آپ نے بادشاہوں کو اخلاقی اصولوں کی طرف متوجہ کر کے سیاست کو ایک مقدس امانت کے طور پر پیش کیا۔

بادشاہوں کے لیے اصلاحی پیغامات

حضرت موسیٰ پاک شہید کی خانقاہ محض عبادت گاہ نہ تھی بلکہ عوامی تربیت اور بیداری کا مرکز بھی تھی۔ آپ نے عوام کو حکمرانوں کی ذمہ داریوں اور عوامی حقوق کے بارے میں آگاہ کیا۔ آپ نے کئی مواقع پر مغل بادشاہوں کو سیاسی اور اخلاقی اصلاحات کی طرف توجہ دلائی۔ حضرت موسیٰ پاک شہید نے جلال الدین اکبر کو نصیحت کی کہ سلطنت کا دوام انصاف کے بغیر ممکن نہیں۔ صوفیاء محض درباری بزرگ نہ تھے بلکہ وہ حکمرانوں کو اصلاحی پیغامات دے کر سلطنت کے اخلاقی معیار کو بلند کرنا چاہتے تھے۔ یہ بات آج کی سیاسی فکر میں بھی بڑی اہمیت رکھتی ہے۔ موسیٰ پاک شہید کے کئی اقوال اور بیانات آج بھی ان کے فکری مقام کی دلیل ہیں۔ ان میں سے اکثر تصوف اور سیاست کے امتزاج پر روشنی ڈالتے ہیں۔ انسان جب تک خود کو اخلاقی طور پر مضبوط نہ کرے، وہ دوسروں پر حکومت کرنے کا اہل نہیں۔[16] حضرت موسیٰ پاک شہید کی تعلیمات نے عوامی سطح پر سیاسی شعور کو فروغ دیا۔ برصغیر میں صوفیاء کی تحریکیں صرف مذہبی عبادات تک محدود نہیں تھیں بلکہ انہوں نے عوام میں یہ احساس پیدا کیا کہ حکمران عوام کے خادم ہیں، حکمران نہیں۔ یہ سیاسی شعور بعد کی تحریکوں میں آزادی اور جمہوریت کے اصولوں کا پیش خیمہ ثابت ہوا۔

حکمران کی ذاتی اصلاح اور اخلاقی تربیت کے بغیر ریاستی استحکام ممکن نہیں۔ یہ تصور آج کے دور میں بھی نہایت قابلِ عمل اور جدید سیاسی فلسفے سے ہم آہنگ ہے۔ حضرت موسیٰ پاک شہید نے عوام میں بھی سیاسی شعور بیدار کرنے کی کوشش کی تاکہ وہ ناانصافی اور جبر کے خلاف کھڑے ہو سکیں۔ موسیٰ

---

15 امتیاز حسین، سید، تذکرہ اولیائے ملتان، ص 372

16 دہلوی، محمد اختر، مرزا، تذکرہ اولیائے پاک و ہند، ص 215

ISSN P: 3006-3329
ISSN E: 3006-3337

پاک شہید کی خانقاہ عوامی شعور کی بیداری کا مرکز بن گئی تھی جہاں عدل، مساوات اور حریت پر وعظ ہوتے تھے۔ آپ کی خانقاہ محض عبادت کا مقام نہیں بلکہ ایک فکری اور سیاسی اکیڈمی تھی جہاں عوام کو بیدار کیا جاتا تھا۔ حضرت موسیٰ پاک شہید کے بعد بھی ان کی تعلیمات نے ملتان اور برصغیر کے فکری اور سیاسی دھاروں کو متاثر کیا۔ حضرت موسیٰ پاک شہید کی تعلیمات نے برصغیر میں صدیوں تک فکری اور سیاسی رہنمائی فراہم کی۔ آپ نے تصوف کو عملی زندگی کے ساتھ جوڑ کر بادشاہوں اور عوام دونوں کو اخلاقی اور سیاسی اصولوں کی طرف متوجہ کیا۔ ان کی فکر آج بھی ہمارے لیے سیاسی اخلاقیات کا ایک روشن مینار ہے۔ حضرت موسیٰ پاک شہید کی شخصیت کا اثر صرف مذہبی یا روحانی پہلو تک محدود نہیں رہا بلکہ اس نے سماجی اور سیاسی زندگی پر بھی گہرے نقوش ثبت کیے۔ ان کی خانقاہیں عوامی تعلیم، اخلاقی تربیت اور سیاسی شعور کی بیداری کا مرکز بن گئیں۔

حضرت موسیٰ پاک شہید کی خانقاہ ملتان میں نہ صرف مذہبی تعلیم بلکہ معاشرتی مسائل پر بھی رہنمائی کا مرکز تھی۔[17]

آپ کی خانقاہ کا کردار ایک ہمہ جہتی مرکز کا تھا جہاں صرف ذکر و اذکار نہیں بلکہ عوامی مسائل اور سیاسی بیداری پر بھی بات ہوتی تھی۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ صوفیاء کی تعلیمات نے برصغیر کی سماجی و فکری زندگی میں گہرائی پیدا کی۔ حضرت موسیٰ پاک شہید نے سماجی ناانصافی اور جبر کے خلاف آواز بلند کی اور عوام کو مساوات اور عدل کی تعلیم دی۔ موسیٰ پاک شہید کی تعلیمات نے عوام کو یہ شعور دیا کہ معاشرہ عدل اور مساوات کے اصولوں پر قائم ہونا چاہیے، نہ کہ ظلم و استحصال پر۔ آپ کی تعلیمات میں سماجی عدل اور انسانی برابری کا تصور مرکزی حیثیت رکھتا تھا۔ اس تعلیم نے عوام کو اپنے حقوق کے لیے آواز بلند کرنے کا حوصلہ دیا اور معاشرتی سطح پر بیداری پیدا کی۔

سیاسی کردار اور حکمران

حضرت موسیٰ پاک شہید کا دور مغلیہ سلطنت کے سیاسی استحکام اور اندرونی خلفشار کا زمانہ تھا۔ آپ نے اپنے اثر و رسوخ کو حکمرانوں کی اخلاقی تربیت اور ان کے فیصلوں میں عدل و انصاف کی تلقین کے لیے استعمال کیا۔ حضرت موسیٰ پاک شہید کے سیاسی کرادر کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ ان کی نصیحتیں اور تعلیمات مغل بادشاہوں کے فیصلوں میں شامل ہوتی تھیں۔

موسیٰ پاک شہید نے جلال الدین اکبر کو بارہا یہ نصیحت کی کہ حکومت عدل، دیانت اور رعایا نوازی کے اصولوں پر قائم رہنی چاہیے۔[18]

اس وقت کے بادشاہوں میں اکثر اقتدار کی کشمکش اور داخلی سازشوں میں الجھے رہتے تھے، جس سے عوامی مسائل نظر انداز ہو جاتے۔ حضرت موسیٰ پاک شہید نے نہ صرف بادشاہوں کو عدل کا پابند بنایا بلکہ سیاسی طاقت کو اخلاقی بنیادوں پر استوار کرنے کی کوشش کی۔ یہ نقطۂ نظر آج کے سیاسی فلسفے میں "اخلاقی ریاست" (Moral State) کے اصولوں سے قریب تر ہے، جہاں حکمران کو خدمت گزار اور عوام کو ریاست کا اصل محور سمجھا جاتا ہے۔ آپ محض ایک روحانی پیشوا نہیں بلکہ حکمرانوں کے مشیر کی حیثیت بھی رکھتے تھے۔ آپ کی تعلیمات نے اس عہد کی سیاسی پالیسیوں میں اخلاقی

---

17 فریدی، خان، نور احمد، تاریخ ملتان، ص 340

18 لاہوری، غلام سرور، مفتی، خزینۃ الاصفیاء، ص 237

رنگ بھرنے کی کوشش کی، جو اس دور میں ایک بڑی فکری پیش رفت تھی۔ آپ کی تعلیمات اور خانقاہی نظام نے وقت کے ساتھ ساتھ ایک تحریک کی شکل اختیار کی، جس نے نہ صرف مذہبی بلکہ سیاسی شعور کو بھی پروان چڑھایا۔

حضرت موسیٰ پاک شہید کے اثرات کا دائرہ وقت کے ساتھ مزید وسیع ہوتا گیا۔ آپ کی تعلیمات نے مذہب، سیاست، اور معاشرت کو ایک دوسرے کے قریب لایا۔ موسیٰ پاک شہید کے فکر و کردار نے برصغیر کی تاریخ میں مذہبی، سماجی اور سیاسی تحریکوں کو گہرا فکری پس منظر فراہم کیا۔ آپ کی شخصیت اور فکر صدیوں تک برصغیر کی سیاسی اور فکری زندگی پر اثرانداز رہی۔ آپ کے افکار نے مذہب اور سیاست کو ایک دوسرے سے ہم آہنگ کر کے ایک ایسا فکری ماڈل پیش کیا جو آج بھی قابلِ عمل ہے۔

ظلم وجبر کے خلاف مزاحمتی کردار

حضرت موسیٰ پاک شہید نے اپنے مواعظ و نصائح میں ظالم حکمرانوں کے خلاف عوامی حقوق کی حفاظت پر زور دیا۔ حضرت موسیٰ پاک شہید نے ایسے سیاسی اقدامات کی مخالفت کی جو عوامی حقوق کے منافی تھے۔ آپ کے مواعظ نے عوام میں مزاحمت کا حوصلہ پیدا کیا۔ حضرت موسیٰ پاک شہید کے وعظ و نصائح نے عوام کو ظلم کے خلاف آواز بلند کرنے کا حوصلہ دیا۔ آپ کی تحریک میں اصلاحی اور انقلابی دونوں رنگ نمایاں نظر آتے ہیں۔ آپ نے حکمرانوں کو بار بار یہ باور کرایا کہ طاقت کا اصل مقصد عدل، خدمت اور امن کا قیام ہے، نہ کہ اقتدار کی بقا۔ بادشاہ کو چاہیے کہ رعایا کو اپنی اولاد کی طرح سمجھے اور عدل میں کسی کے ساتھ امتیاز نہ کرے۔ حضرت موسیٰ پاک شہید کے اثرات کئی مغل بادشاہوں کے فیصلوں میں دیکھے جا سکتے ہیں۔ بعض تاریخی حوالوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے مشوروں نے عدل و انصاف پر مبنی اقدامات کی راہ ہموار کی۔

> مغل بادشاہ اکثر حضرت موسیٰ پاک شہید کی خانقاہ پر حاضری دیتے اور سیاسی و سماجی امور میں رہنمائی لیتے۔[19]

یہ تعلقات ظاہر کرتے ہیں کہ آپ کی خانقاہ مذہبی و سیاسی رہنمائی کا مرکز تھی۔ حضرت موسیٰ پاک شہید کا سیاسی کردار ان کی وفات کے بعد بھی زندہ رہا۔ بعد کی صوفیانہ تحریکوں اور اصلاحی کوششوں نے ان کی تعلیمات کو مشعلِ راہ بنایا۔ حضرت موسیٰ پاک شہید کی سیاسی اور اخلاقی تعلیمات بعد میں کئی انقلابی تحریکوں کی فکری اساس بنیں۔ آپ کا اثر محض اپنے عہد تک محدود نہ رہا بلکہ تاریخ کے دھارے پر گہرے نقوش چھوڑ گیا۔ آپ کا کردار محض اصلاحی نہیں بلکہ مزاحمتی بھی تھا۔ آپ نے ظالم حکمرانوں کو للکارا اور عوام کو یہ شعور دیا کہ ظلم کے خلاف کھڑا ہونا دینی و اخلاقی فریضہ ہے۔ یہ طرزِ فکر بعد میں مزاحمتی صوفی تحریکوں میں جھلکتا ہے جنہوں نے عوامی حقوق اور انصاف کے لیے آواز بلند کی۔

سیاسی اخلاقیات اور حکمرانی کے اصول

حضرت موسیٰ پاک شہید نے حکمرانوں کو عدل، مساوات اور خدمت کے اصولوں کی طرف متوجہ کیا۔ بادشاہ کو چاہیے کہ رعایا کے ساتھ عدل و انصاف کرے اور امیر و غریب میں کوئی امتیاز نہ برتے۔ آج کے سیاسی فلسفے میں "سوشل جسٹس" (Social Justice) کے اصولوں سے ہم آہنگ ہیں۔ حضرت موسیٰ پاک شہید نے اس دور کے بادشاہوں کو متنبہ کیا کہ رعایا کی خوشحالی اور انصاف پر مبنی نظام ہی حکومت کے استحکام کی اصل بنیاد ہے۔ یہ

---

19 ابوالفضل، آئینِ اکبری، مدراس یونیورسٹی، مدراس، ص 151

ISSN P: 3006-3329
ISSN E: 3006-3337

بات اس دور کے جاگیر دارانہ نظام کے خلاف ایک انقلابی تصور رکھتی تھی، جہاں طاقتور طبقے عوامی استحصال میں مصروف تھے۔

سلسلۂ قادریہ کی نمایاں شخصیات حضرت میاں میر، حضرت سید محمد نوشہ گنج بخش، اور حضرت موسیٰ پاک شہید کے روحانی و سیاسی کردار کا عالمانہ تجزیہ پیش کرتا ہے۔ ان صوفیاء نے تصوف کو محض خانقاہی عبادت تک محدود نہیں رکھا بلکہ اسے عدل، اصلاحِ معاشرہ اور حکومتی کی سیاسی رہنمائی کا ذریعہ بنایا۔ حضرت میاں میر کے مغل دربار میں سیاسی کردار اور عوامی فلاح کے لیے عملی جدوجہد کو نمایاں کرتا ہے۔ حضرت سید محمد نوشہ گنج بخش کو اکبر کے "دینِ الٰہی" کے فتنہ کے مقابلے میں شریعت و طریقت کے محافظ اور دینی بیداری کے علمبردار کے طور پر جانا جاتا ہے، جب کہ حضرت موسی پاک شہید کی تعلیمات میں سیاست اور اخلاق کا گہرا امتزاج دکھایا گیا ہے۔ صوفیاء نے برصغیر میں سیاست کو روحانی اور اخلاقی بنیادوں پر استوار کرنے کی بھرپور کوشش کی۔ صوفیاء کی تعلیمات نے عوامی شعور، عدلِ اجتماعی اور دینی استقامت کو فروغ دیا۔ یہ مطالعہ اس حقیقت کو اجاگر کرتا ہے کہ تصوف، برصغیر کی سیاسی و فکری تاریخ میں اصلاح و بیداری کی ایک متحرک قوت رہا ہے۔ بہر حال سلسلہ قادریہ کی مشہور شخصیات کا سیاسی کردار ہمیشہ سے سرفہرست رہا ہے اور ہر دور کے ظالم و جابر حکمرانوں کے سامنے اللہ کے خلیفہ ہونے کی حیثیت سے کلمہ حق بلند کیا۔ سیاسی شعور بیدار کیا اور عوامی خدمت کے لیے مراکز قائم کیے جن میں تزکیہ نفس کے ساتھ ذمہ داری کا احساس اور ہر شخص اپنے کیے کا جواب دہ ہے اس کی تعلیم دی۔